اردو غزل میں شاعر بطور ایک رومانی اجنبی

Dr. Mohamed Saleem Pulsarakath
Associate Professor, Department of Urdu
Farook College, Kozhikode Kerala

ملخص

غزل میں انسانی احساسات، جذبات، عشق، روحانیت اور داخلی کرب کو نہایت لطیف اور علامتی انداز میں پیش کیا ہے۔ غزل کو عام طور پر عشق و محبت کی شاعری سمجھا جاہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ غزل کا شاعر ایک گہرے وجودی تجربے سے گزرتا ہے، جہاں عشق صرف جذباتی وابستگی نہیں بکہ ایک فلسفیانہ جستجو اور روحانی اضطراب کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس حالت میں شاعر بطور 'رومانی اجنبی' سامنے آتا ہے۔ ایک ایسا وجود جو دنیا سے محبت رکھتا ہے لیکن دنیا کے مادی، سماجی اور اخلاقی نظام سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتا۔

کلیدی الفاظ:

غزل، رومانویت، اجنبیت، **رومانی اجنبی، لامعنویت**، وصلِ محبوب، وجودیت، کولن ولسن، البرٹ کامیو

یہ مقالہ اردو غزل میں رومانی اجنبیت کے تصور کا تخلیقی و تنقید مطالعہ پیش کرتا ہے۔ شاعر جب اپنے زمانے کے تضادات انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں اور اپنی ذات کے الجھنوں سے دوچار ہوتا ہے تو اس کی تخلیق میں ایک ایسی رومانویت جنم لیتی ہے جو اسے عام انسانی تجربے سے بلند کر کے ایک ماورائی اور وجودی سطح پر لے جاتی ہے۔ میر، غالب

،فانی بدایونی، فیض، ن م راشد، فراز اور جون ایلیا جیسے شعرا کی شاعری میں یہی رومانوی اجنبیت مختلف رنگوں میں جلوہ گر ہے۔ میر کے یہاں یہ اجنبیت عشق اور غم جاناں کے کرب میں ڈھلتی ہے، غالب کے ہاں یہ فکری اور فلسفیانہ تنہائی کی صورت اختیار کرتی ہے۔ فانی کے ہاں یہ مایوسی اور خود تنقیدی کا استعارہ بن جاتی ہے، جبکہ جون ایلیا کے یہاں یہ وجودی اور لا معنوی تجربے کی شدت میں ظاہر ہوتی ہے۔ مقالے میں مغربی رومانویت کے اثرات کے ساتھ ساتھ اردو غزل کی مشرقی روایات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ رومانویت دراصل انسان کی اس داخلی کیفیت کا اظہار ہے جس میں وہ منطق اور اصول کے بجائے احساس، تخیل اور وجدانی تجربے کو ترجیح دیتا ہے۔ مغرب میں کولن ولسن کے پیش کردہ Romantic outsider اور البرٹ کامیو کے Absurdity کے تصورات کو بنیاد بنا کر اس مقالے میں اردو شاعری کی رومانی و فکری تنہائی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کامیو کے مطابق جب انسان اپنی زندگی کی بے معنویت کو دریافت کرتا ہے تو وہ دنیا کے رائج اقدار سے بغاوت کر کے اجنبی بن جاتا ہے۔ یہی کیفیت اردو غزل کے شاعر کی ہے جو دنیا کے بے حسی بھرے ماحول میں خود کو ایک 'وجودی اجنبی' محسوس کرتا ہے۔

غزل اردو کی مقبول ترین صنفِ شاعری ہے۔ اس میں عموماً عشق کی مختلف کیفیات کو پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اردو غزل محض عشق و محبت کے جذبات کی نمائندہ صنفِ سخن نہیں ہے بلکہ یہ انسانی وجود کے گہرے احساسات، داخلی تنہائی اور سماجی کشمکش کی آئینہ دار بھی ہے۔ شاعر جب اپنے زمانے کے تضادات، انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں اور خود اپنی ذات کے بحران سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے تخلیقی شعور میں رومانویت ایک انوکھی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہی رومانویت اسے معاشرتی سطح سے ہٹا کر ایک رومانی اور تخیلی سطح پر لے جاتی ہے جہاں وہ خود کو 'اجنبی' محسوس کرتا ہے ۔ ایک ایسا فرد جو دنیا سے محبت بھی رکھتا ہے، مگر اس دنیا میں پوری طرح شامل نہیں ہو پاتا۔ اردو غزل کا شاعر، خاص طور پر میر، غالب، فانی، یگانہ اور جدید عہد کے شعرا جیسے فیض، راشد، فراز اور جون ایلیا، سبھی کسی نہ کسی سطح پر اس

'رومانی اجنبیت' کے مظہر ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ اردو غزل میں اسی 'شاعر بطورِ رومانی اجنبی' کے تصور کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ پیش کرتا ہے۔

اردو غزل کی ابتدا میں اس کا دائرہ کار بہت ہی محدود تھا۔ حسن و عشق، وصل و فراق، اور صوفیانہ واردات تک۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غزل نے انسانی تجربے کے تمام رنگوں کو اپنے اندر شامل کر دیا۔ غزل کا شاعر کبھی محبوب سے بات کرتا ہے، کبھی خدا سے، اور کبھی اپنی ذات کے گہرے اندرون سے۔ یہی کثرتِ معنی غزل کو آفاقی صنف بناتی ہے۔

جب ہم 'رومانویت' کا ذکر کرتے ہیں تو ذہن میں سب سے پہلے احساس، تخیل، انفرادیت، اور حُسنِ فطرت کے تصورات آتے ہیں۔ رومانویت دراصل ایک ایسی جمالیاتی تحریک ہے جو انسان کو منطق، اصول اور عقل کے بجائے دل، احساس اور وجدانی تجربے کی طرف لے جاتی ہے۔ مغرب میں اس کا آغاز اٹھارہویں صدی میں ہوا، جب انسان نے مادیت کے غلبے کے بجائے ایک باطنی اور جذباتی دنیا کی تلاش کرنا شروع کی۔ اردو ادب میں رومانویت کا یہ تصور براہِ راست مغرب سے مستعار نہیں، بلکہ اس کے جڑیں مشرقی تصوف اور عشقِ حقیقی کے روایتی تصورات میں پیوست ہیں۔

اردو غزل کا شاعر ہمیشہ کسی نہ کسی سطح پر 'اجنبی' رہا ہے۔ رومانی شاعر تصور میں ایک عینی دنیا کی یعنی وصلِ محبوب کی یاد میں رہتا ہے۔ محبوب کی طرف جانے کی بے حد اور شدید خواہش بھی اسے تصادم میں پھنسا دیتا ہے۔ اسی لیے رومانی شاعر اس دنیا کو ایک بدیس قرار دیتا ہے۔ وہ اس زمین میں ایک دائمی تارکِ وطن ہے۔ اجنبیوں کے بیچ میں رہنا اس کی قسمت ہے۔ اس کا وطن اور گھر (وصلِ محبوب) دور دراز مقام میں ہے۔ وہ گھر کی تلاش اس یقینی کے ساتھ کرتا ہے

کہ وہ ناقابلِ حصول ہے۔یہ حقیقت اسے تنہائی پسند ،بے یار و مدد گار اور غمگین بنا دیتی ہے۔یہ غمگین شخص اپنے اطراف کے لوگوں سے جھگڑا کرتا ہے ،منہ پھیرتا ہے۔ایک سماجی اچھوت اور بے یار ہو کر اجنبی (outsider)بن کر خود زندگی اور شاعری میں سوالیہ علامت بن کر ابھرتا ہے۔وہ دنیا میں رہتا ہے مگر اس سے مطمئن نہیں۔اس کی زبان نرم، لہجہ عاشقانہ مگر دل زخمی اور وجود بے چین۔وہ سماج کے المیے کو ذاتی المیے کے طور پر محسوس کرتا ہے۔یہی کیفیت رومانوی اجنبیت کہلاتی ہے۔میر کے یہاں یہ اجنبیت غمِ جاناں اور غمِ دنیا کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، غالب کے ہاں یہ فکری اور فلسفیانہ تنہائی میں ڈھل جاتی ہے، اور جدید شعرا کے یہاں یہ سیاسی، وجودی اور نفسیاتی صورتیں اختیار کر لیتی ہے۔

جذبہء عشق میر کے نزدیک انسان کی ایک ازلی و خلقی خواہش ہے جو انسان کو ناگزر ہلاکت کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ محبوب کی نزاکت، حسن اور کشش عاشق کے دل کو لبھاتی ہے۔ مگر وہ محبوب کی رسائی سے باہر ہے اور یہاں عاشق ایک المیہ کردار بن جاتا ہے اور وہ خود اذیت، وحشت، کرب اور انتشار کے مراحل سے گزرتا ہے۔ محبوب اس کے یہاں زندگی کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔اس کے یہاں ،راہِ عشق پر چلنے کا مطلب ہے ہر قدم پر فریادی ہونا، مصیبتیں جھیلتے رہنا اور ٹھوکریں کھانا۔

دوڑے بہت ولیکن مطلب کو کون پہنچا آئندہ تو بھی ہم سا ہو کر شکستہ پارہ

گزر سر سے تب عشق کی راہ چل ہر گام یاں ایک خطرہ گاہ ہے

تصور و تخیل فریب میں مبتلا کر دیتی ہے اور ہم کو ورغلا کر مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ اس کے ادراک ہوتے ہی شاعر دائمی و ابدی حسن کی پرستش میں سکونِ قلب ڈھونڈتا ہے۔ اردو غزل گو شعرا میں اکثر عینی و خیالی محبوب کو اپنا مرکزِ خیال بنا کر ایک تصوری دنیا کی تخلیق کا خواب دیکھتے آرہے ہیں۔

'محبوب' ایک خاص نظام کی علامت ہے۔ اسی لیے اکثر اوقات اس رومانی عشق کو شکست و بربادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ دراصل پیار ایک انقلابی تصور ہے۔ جو شاعر رومانی اجنبی (romantic outsider) ہوتا ہے، وہ غالباً ایک باغی ہی نکلتا ہے۔ مذکورہ بالا یہ نکتہ رومانی شاعری کی سیاسی قدروں میں شامل ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ شاعر سیاست میں اپنے اظہارِ خیال کرے۔ فیض احمد فیض کی غزلیں اس کے سب سے عمدہ مثال ہیں۔

باقی ہے لہو دل میں تو ہر اشک سے پیدا رنگ لب و خار صنم کرتے رہیں گے

فیض

ٹپکے گا لہو اور میرے دیدہء تر سے دھڑکے گا دل خانہ خراب اور زیادہ

مجاز

یہی صورت ہمیں الگ طریقے سے کلاسکی شاعری میں میر و غالب میں بھی نظر آتی ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

رومانویت ایک ایسی تحریک ہے جس نے فرد کو مرکزی حیثیت دی۔ عقل کے بجائے احساس، منطق کے بجائے وجدان، اور معاشرتی اصولوں کے بجائے انفرادی آزادی کو ترجیح دی گئی۔ اس کے نمایاں عناصر میں تنہائی، خواب، تخیل، فطرت سے قربت، ماضی سے محبت، اور داخلی اضطراب شامل ہیں۔

بقول محمد حسن:

'رومانویت میں ہمیں اقبال کی اصطلاح میں خودی کی یاد دلاتی ہے جو اطاعت نفس سے آشنا نہیں اور اسی لیے رومانویت کا جہاں فرد کا جہاں ہے جماعت کی حثیت یا تو ضمنی ہے یا سرے سے مفقود ہے۔'

(اردو ادب میں رومانوی تحریک، محمد حسن، ص ۱۶)

اردو غزل چونکہ بنیادی طور پر احساس اور وجدانی تجربے کی شاعری ہے، اس لیے رومانویت اس کی فطرت میں موجود ہے۔ شاعر جب عشق کے تجربے کو بیان کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے اندر کے خالی پن، اپنی ذات کے تضاد، اور دنیا سے اپنی بیگانگی کو لفظوں میں ڈھال رہا ہوتا ہے۔

غزل کے خلوت نشین اور افسردہ خاطر ہیرو موجودہ معاشرے کے باہر ہیں۔ وہ اخلاقیات اور تسلیم شدہ اقدار کا انکار کرتے ہوئے محبوب کے محل کے باہر گلی کوچوں میں بھٹکا پھرتا ہے اور ہر طرح کے سکون و آرام سے اپنے آپ کو محروم رکھتا ہے۔

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرامیدہ ہوں میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

غزل گو شاعر کبھی گلی کوچوں کا آوارہ شاعر ہے۔ وہ دربدر کو بہ کو، کوچہ بہ کوچہ گھومنے پھرنے والا ہے۔ ٹیگور نے ارشاد فرمایا ہے کہ 'میں دور دراز مقامات کا پیاسا ہوں'۔ اسی طرح یہ دائمی تشنہء آوارگی جو تمام رومانی شعرا کا مزاجی وصف ہے، وہ غزل گو شعرا کی بھی ایک اہم خصوصیت ہے۔

خواب کی یہ تصوراتی دنیا اور اس سے متعلق محلات اور گلی کوچے، یہ سب غزل گو شاعر کے تخیل سے پرے واقع مقامات میں ہے۔ اسی لیے اس دنیا کی اصلیت سے انکار کر دیتا ہے اور دنیا اسے بھی۔ اس لیے غزل گو شعرا اجنبی (outsider) ہیں، دنیا کی نگاہ میں اور خود اپنی نگاہ میں بھی۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کے یہ خیال ابھرتا ہے کہ اپنا گمشدہ گھر اور گلی کوچے اور اپنے ہر دل عزیز اشیاء پا سکتا ہے۔ لیکن اس مہم میں وہ ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس منزل مقصود تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ اس کے خیال میں پیار و عشق کا راستہ ہے۔ لیکن محبوب کے گھر کا دروازہ ہمیشہ بند رہتا ہے، محبوب کے ہاتھوں اسے ہمیشہ بے وفائی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی بے وفائی کی تاب نہ لا کر وہ ایک مجذوب کی طرح بڑبڑاتے ہوئے ویرانے میں پناہ لیتا ہے۔ بالآخر سکونِ قلب کی تلاش میں شاعری کے مے خانے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔

جا گہ نہیں شہر میں تجھ کو مگر کہیں آشفتہ جا بجا جو پھرے ہے تو دشت میں

مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا کن نیندوں اب تو سوتی ہے اے چشم گریہ ناک

رومانیت پسند کے معنی یاسیت زدہ اجنبی کے ہیں۔ مغربی رومانیت سے ایک حد تک اردو غزل کو گہرا تعلق ہے۔ رومان پسند شاعر زمان و مکان کے علاقے سے بالاتر ہے۔ کیونکہ رومانی تحریک ایک آفاقی تحریک ہے جس کے اطلاق مغرب و مشرق دونوں شعرا پر ہو سکتا ہے۔

یہ دعوی قابلِ اعتبار ہے کہ رومانیت کی جدید شکل جدیدیت (Modernism) ہے اور انگریزی میں جدیدیت کے دور میں outsider کا تصور بالفاظِ دیگر وجودیت (existentialism) کی نسبت کے پیشِ نظر ادب کا مرکزی موضوع بن گیا تھا۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے Colin Wilson نے Romantic outsider کا ایک نیا تصور پیش کیا ہے۔ البرٹ کامیو (Albert Camus) کے پیش کردہ outsider سے متعلق کامیو کی یہ تعریف The Myth of Sisyphus میں مذکور ہے۔ اس میں کامیوں نے لا معنویت (absurdity) کا تصور پیش کیا ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کی لا معنویت یا بے معنویت کا ادراک کرتا ہے، وہ اخلاقی اقدار کی تردید کرنے پر تل جاتا ہے۔ آگے چل کر وہ اجنبی بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کامیوں نے لا معنویت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ عموماً بے معنی زندگی کو با مقصد اور با معنی بنانے کی کوشش کے باوجود وہ ہار جاتا ہے۔ تو اس پر یہ حقیقت پوری شدت کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے کہ زندگی دراصل بے معنی ہے۔ اس کو با معنی بنانے کی کوشش بے کار ہے۔ مثال کے طور پر کامیو نے ایک کہانی سنائی ہے۔ 'ایک پاگل bath tub میں مچھلی پکڑ رہا تھا تو ایک آدمی نے جو سالم العقل تھا، مذاق سے اس سے پوچھا۔ کانٹے میں کوئی مچھلی اٹک گئی ہے کیا؟ تو پاگل نے جواب دیا۔ بے وقوف، یہ ایک bath tub ہے۔ اس میں مچھلی کہاں ہوتی ہے؟

(The myth of Sisyphus and other essays by Albert Camus PP 81-82)

بات ٹیب زندگی کی علامت ہے اور مچھلی سکھ کی۔ کامیو کے احساسِ لا معنویت Sense of Absurdity کا یہ مفہوم ہے۔ اس احساس سے لا معنویت نے ان کو زندگی کے حقائق سے گریز کرنے، آوارہ گردی یا عزلت نشینی اختیار کرنے والا، وجودیت کا شعور رکھنے والا اجنبی existential outsider میں تبدیل کر دیا ہے۔

فانی بدایونی کے یہاں 'رومانی اجنبیت' دراصل مایوسی اور خود تنقیدی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔وہ زندگی کے خواب میں الجھا ہوا ہے، مگر اس خواب سے نکل بھی نہیں سکتا۔وہ مایوسی میں ڈوبا ہے، مگر امید کی جھلک اسے مرنے نہیں دیتی۔وہ دنیا سے وابستہ بھی ہے، اور دنیا سے جدا بھی۔یہی وہ کشمکش ہے جو فانی کو اردو غزل کے دوسرے شعرا سے ممتاز بناتی ہے۔اس کی رومانویت کا حسن اسی اجنبیت میں پوشیدہ ہے۔ایک ایسی اجنبیت جو عشق اور وجود دونوں کے خلامیں سانس لیتی ہے۔مثال

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا　　　زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

ایک اور شعر دیکھیے

ناامیدی موت سے کہتی ہے اپناکام کر　　　آس کہتی ہے ٹھہر،خط کاجواب آنے کو ہے

یہ اشعار فانی کے تخیل میں زندگی، امید اور مایوسی کے باہمی کشمکش کا آئینہ دار ہے۔یہاں شاعر کی شخصیت دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ایک طرف ناامیدی ہے جو موت کو پکارتی ہے،اور دوسری طرف آس (امید) ہے جو زندگی کو تھامے رکھتی ہے۔یہ تضاد فانی کے اندرونی رومانی المیے کا جوہر ہے۔وہ جینا چاہتا ہے مگر جینے کی کوئی وجہ نہیں۔وہ مرنا چاہتا ہے مگر مرنے سے پہلے کسی خط، کسی پیغام یعنی کسی رشتے کے آنے کی امید باقی ہے۔یہاں'خط' محض محبوب کا پیغام نہیں بلکہ زندگی کا استعارہ ہے۔فانی کے نزدیک اجنبیت اسی انتظار کا دوسرا نام ہے ۔ایک ایسا انتظار جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

جون ایلیا کے ہاں رومانویت اپنے شدید مرحلے میں نظر آتی ہے۔وہ مکمل طور پر وجودی (Existential)شاعر ہیں۔ ان کے ہاں محبت، وقت، ذات ،موت سب باہمی رشتوں کے باوجود بے معنی محسوس ہوتے ہیں۔ یہی بے معنویت ان کی اجنبیت ہیں۔

میں بھی بہت عجیب ہوں اتنا عجیب ہوں کہ بس   خود کو تباہ کر لیا اور ملال کیا

یہ شعر محض افسوس نہیں بلکہ فلسفہ ہیں۔ جون ایلیا کے نزدیک تباہی بھی ایک طرح کا حسن ہے۔ وہ اپنی تنہائی سے انکار نہیں کرتا بلکہ اسے گلے لگاتا ہے۔

وصل سے انتظار اچھا تھا   جان لیوا تھیں خواہش ورنہ

یہاں 'انتظار' صرف محبوب کا نہیں بلکہ ایک روحانی اور وجودی کیفیت کا استعارہ ہے۔ شاعر 'وصال' سے گریز کرتا ہے۔ کیوں کہ تکمیل کا مطلب فنا ہے۔ شاعر کے خیال میں محبت کا حسن اس کی ناتمامی میں پوشیدہ ہے۔

الغرض اردو غزل میں شاعر بطور رومانی اجنبی ایک پائیدار اور ہمہ گیر تصور ہے۔ میر سے جون ایلیا تک کی شاعری کی داخلی تنہائی، عشق کی ناکامی اور وجودی سوالات نے اس تصور کو مختلف رنگ دیے۔ رومانویت نے شاعر کو احساس، درد اور تخیل کی گہرائی عطا کی، جبکہ سماجی پابندیوں سے آزاد کر کے ایک آفاقی انسان بنا دیا۔ یہی اجنبیت اردو غزل کو اس کی تہذیبی اور فکری وسعت عطا کرتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ شعر شور انگیز، شمس الرحمن فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۸

۲۔ اردو ادب کا بدلتا منظر نامہ، اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ مرتبہ پروفیسر گوپی چند نارنگ، اردو اکادمی دہلی ۱۹۹۸

۳۔ جون ایلیا خوش گزراں گزر گئے، نسیم سید، اکادمی بازیافت، کراچی ۲۰۱۱

۴۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک، ڈاکٹر محمد حسن، شعبہ اردو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۵

5. The myth of Sisyphus and Other Essays by Alber Camus Translated from the French by Justin O Brien 1995

❊ ❊ ❊